بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصفیۂ قلب

از جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب جامعہ عثمانیہ حیدرآباد

اذکار و اورادِ سلسلۂ چشتیہ

سلسلۂ علیہ حضرات چشتیہ قدس اسرارہم کے طریقہ کے امام حضرت خواجہ معین الدین حسن السنجری الچشتی رضی اللہ عنہ ہیں۔ آپ معین النبی، غریب نواز، خواجۂ خواجگان، خواجۂ بزرگ، عطائے رسول، خواجۂ اجمیری کے القاب سے مشہور ہیں۔ آپ کی ولادت ۵۳۷ھ / ۱۱۴۲ء میں ہوئی۔ آپ کا مولد اصفہان اور محل نشو و نما خراسان ہے۔ دراصل سنجان یا سنجر نواحِ خراسان میں آپ کے ابتدائی ایام بسر ہوئے۔ آپ خواجہ عثمان ہارونیؒ کے مرید اور خلیفہ ہیں اور بیعت کے بعد بیس برس اپنے شیخ کی صحبت و خدمت میں رہے۔ آپ شیخ نجم الدین کبریؒ، شیخ اوحد الدین کرمانیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ، خواجہ یوسف ہمدانیؒ، شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ کے ہم عصر ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؓ سے بھی آپ کی ملاقات ثابت ہے۔ آپ کی وفات روز جمعہ ماہ رجب ۶۳۳ھ / ۱۲۳۶ء میں ہوئی۔ مرقد شریف اجمیر میں ہے۔

مشائخ چشتیہ فرماتے ہیں کہ امام الاولیاء علی مرتضیٰؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ

یا رسول اللہ دُلّنی علی اقرب الطریق الی اللہ و افضلہا عند اللہ و اسہلہا العبادہ فقال رسول اللہ صلعم علیک بملازمۃ الذکر فی الخلوۃ، فقال علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کیف اذکر یا رسول اللہ؟ فقال رسول اللہ صلعم	یا رسول اللہؐ مجھے وہ راہ بتلایئے جو سب راہوں سے زیادہ قریب ہو اللہ کی طرف اور اللہ کے پاس وہ افضل بھی ہو اور اس کے بندوں کے لئے سب سے زیادہ آسان بھی ہو، آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ خلوت میں ذکر پر مداومت کر علی کرم اللہ وجہہ نے پوچھا کہ میں ذکر کس طرح کروں؟ آپ نے فرمایا کہ اپنی آنکھوں کو

غمّض عینیك واسمع منّی ثلٰث مرّات فالنبی صلعم قال لا الٰہ الّا اللہ ثلٰث مرات وعلیؓ یسمع۔ ثمّ قال علیؓ کرم اللہ وجہہ لا الٰہ الّا اللہ ثلٰث مرات والنّبی صلعم یسمع، ثمّ لقّن علی کرم اللہ وجہہ الحسن البصری

بند کر اور مجھ سے تین بار سُن لے، آنحضرت صلعم نے تین بار لا الٰہ الا اللہ فرمایا اور علی مرتضیٰؓ سنتے رہے اور پھر علی مرتضیٰؓ نے تین بار لا الٰہ الا اللہ کہا اور آنحضرت صلعم سنتے رہے۔ پھر علی مرتضیٰؓ نے یہ طریقہ حسن بصریؒ کو تعلیم کیا۔ اسی طرح یہ ہم تک پہونچا ہے۔

وھکذا حتی وصل الینا۔[1]

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صرف مشائخ چشتیہ سے مروی ہے، محدثین کے ہاں یہ نہایت غریب ہے اور بشدت منقطع، اس لئے کہ حسن بصریؒ کی حضرت علیؓ سے ملاقات تاریخی اعتبار سے ثابت نہیں اور الفاظ کی رکاکت کی وجہ سے بھی اس کا قبول کرنا مشکل ہے۔[2] لیکن اولیاءِ چشت سے حسنِ ظن اس امر کا مقتضی ہے کہ ہم اس حدیث کو انقطاع کے شبہ پر پایۂ اعتبار سے ساقط نہ سمجھیں کیونکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک حدیثِ مرسل بھی بشرطِ عدالتِ رُوات حجّت ہو سکتی ہے۔

سلسلہ چشتیہ میں جب شیخ اپنے مرید کو تلقین کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو ایک روز روزہ رکھنے کا حکم کرتا ہے اور وہ دن اگر جمعرات کا ہو تو بہتر ہے۔ پھر اس سے کہتا ہے کہ دس مرتبہ استغفار اور دس مرتبہ درود پڑھے، پھر اس آیتِ کریمہ کی تلاوت کرتا ہے:- فاذکروا اللہ قیامًا وقعودًا وعلٰی جنوبکم اور نصیحت کرتا ہے کہ مرید اس امر کی کوشش کرے کہ اس آیت کی تاکید پر ہمیشہ عمل پیرا ہو اور کوئی وقت بغیر ذکر نہ گذارے ع

این راہِ طلب منزلِ آرام ندارد

شیوخِ چشت ذکر کا یہ طریقہ بتلاتے ہیں:- طالب مکانِ خلوت میں دو زانو یا مربع قبلہ رو ہو کر بیٹھے، وضو اس میں شرط نہیں، باوضو ہو تو بہتر ہے۔ پیٹ کو سیدھا رکھے اور آنکھیں بند کر لے اور دونوں ہاتھ دونوں زانوؤں پر رکھے۔ مربع بیٹھنے کی صورت میں داہنے پاؤں کے انگوٹھے اور اس سے لگی ہوئی انگلی سے بائیں پاؤں کی رگ کیماس کو کہ گھٹنے کے خم میں واقع ہے مضبوط پکڑے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے حرارتِ قلب زائد ہوتی ہے

[1] شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل از شاہ ولی اللہؒ مطبوعہ مطبع نظامی، کانپور ۱۲۹۱ھ ص ۶۲-۶۳ [2] ایضاً ص ۶۲

اور یہ وساوس و ہواجس کے دفع کرنے کا باعث ہوتی ہے اور قلب کے اطراف جو چربی ہوتی ہے اور جو خناس کا محل و مقر سمجھی جاتی ہے اس کو گھلا دیتی ہے' اس ہئیت میں بیٹھ کر ذکر جلی یا خفی شروع کرے ۔

ذکر میں سات شرائط کی رعایت ضروری ہے اور یہ شرائط ایک شعر میں جمع کر دیئے گئے ہیں ۔

برزخ و ذات و صفات و مد و شد و تحت و فوق

می نماید طالباں را کل نفس ذوق و شوق

برزخ سے مراد واسطہ' صورتِ شیخ ہے' اور ذات سے ذات وجودِ مطلق حق سبحانہ تعالیٰ ہے یعنی نفیِ خطرات کے لئے صورتِ شیخ کو تجلیِ حق تصور کرے اور مراد صفات سے سبع ائمہ صفات ہیں یعنی ذاتِ مطلق کو حیات و علم و ارادہ و قدرت و سمع و بصر و کلام کے ساتھ تصور کرے اور مد سے مراد مدِ کلمۂ لا ہے (جب ذکر نفی و اثبات کیا جا رہا ہو) یا تمدیدِ الفِ اللہ ہے (جب ذکر سہ پایہ چشتیہ ہو) اور شد سے مراد تشدیدِ کلمۂ اِلَّا اللہ ہے' یا تشدید و تغلیظِ اللہ' اور تحت سے مراد ذکر اسم ذات کی صورت میں یہ ہے کہ اللہ کے ہمزہ کو زیرِ ناف سے قوت کے ساتھ شروع کریں اور ذکر نفی و اثبات کی صورت میں تحت سے مراد یہ ہے کہ لا کو زیرِ ناف سے قوت کے ساتھ شروع کریں اور فوق سے اشارہ یہ ہے کہ ذکر اسم ذات کو دماغ میں تمام کیا جائے یا پھر ذکر نفی و اثبات کی صورت میں فوق سے داہنے طرف کا مونڈھا مراد ہے ۔

ذکر نفی و اثبات چار ضربی ان شرائط کو ملحوظ رکھ کر اس طرح کیا جاتا ہے :۔

نماز کی نشست یا مربع بیٹھ کر اجتماعِ عزیمت کے ساتھ کلمۂ حرف لا مد کے ساتھ ناف سے نکالیں اور اس کو کھینچ کر داہنے مونڈھے تک لیجائیں اور لفظ الٰہ کو ام الدماغ (دماغ کی جھلّی) سے نکالیں اور ارادہ کرے کہ غیر اللہ کو میں نے دل سے نکال دیا اور پسِ پشت پھینک دیا پھر تازہ دم لے کر اِلَّا اللہ کی شدت (شد) و قوت سے قلب پر ضرب لگائے تاکہ بُتِ باطن بالکل ٹوٹ جائے اور اثبات کے وقت مطلوب کو اپنے ساتھ ہی جانیں بلکہ سمجھے کہ اس کو پا لیا بلکہ یقین کرلے کہ اثبات وہی کر رہا ہے اور خود درمیان سے نکل جائے ؏

یار آمد درمیاں ما از میاں برخاستیم !

لائے نفی سے مبتدی تو غیر اللہ کی 'معبودیت' کا ارادہ کرتا ہے اور متوسط 'نفی مقصودیت' کا اور

منتہی نفیٔ وجود کا۔ اس ذکر میں شرط اعظم جمع ہمت اور فہم معنی ہے تاکہ ذاکر اس وعید میں نہ آجائے

من ذکرنی بالغفلة ذکرته باللعنة	جس نے میرا ذکر غفلت سے کیا میں اس کا ذکر لعنت
واذا ذکر عبدی عبثاً اهتز عرشی	سے کرتا ہوں اور جب بندہ میرا ذکر ہنسی مذاق سے کرتا ہے تو
غضباً [۱]	میرا عرش غصہ سے کانپ جاتا ہے۔

اور دوسری شرط یہ ہے کہ اپنے مرشد کی صورت کا تصور پیش نظر رکھے (رابطہ یا برزخ) اور پھر ذکر کرے الرفیق ثم الطریق۔

مولانا قاضی خاں یوسف ناصحی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں کہ چار ہزار پیران طریقت کا اجماع ہے کہ اصول الی اللہ کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں' ایک ذکر دوسرے بھوک' لیکن جو شخص ذکر جلی کرتا ہے اس کو زیادہ بھوکے رہنے کی ضرورت نہیں' چوتھائی پیٹ کا خالی رکھنا کافی ہے' اس کو گھی کا زیادہ استعمال کرنا چاہیئے تاکہ دماغ خشکی کی وجہ سے پریشان نہ ہو جائے۔

سلسلۂ چشتیہ میں ذکر حدادی بھی کیا جاتا ہے جیسا کہ قادریہ سلسلہ میں' یہ امام ابو حفص حداد قدس سرہٗ سے منقول ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو زانو ہو کر بیٹھیں اس طرح کہ ہر دو سرین زمین پر ہوں' اب دونوں ہاتھ لا کر آسمان کی طرف پھیلائیں اور لا الہ کہتے ہوئے دونوں زانوؤں پر اٹھیں اور پھر اپنی جگہ واپس آئیں اور اپنے دونوں ہاتھ دونوں زانوؤں کے درمیان رکھیں اور الا اللہ کہتے ہوئے سینہ پر ضرب لگائیں بعض لا الہ کو قلب سے کھینچ کر سیدھے مونڈھے تک پہنچاتے ہیں اور قلب پر الا اللہ کی ضرب لگاتے ہیں اور بعض اسی طرح اسم مبارک اللہ کہتے ہیں اور سینہ پر ھو کی ضرب لگاتے ہیں۔

چندروز طالب کو چار ضربی ذکر میں مشغول رکھا جاتا ہے' جب ذکر کا نور اس پر ظاہر ہونے لگتا ہے یعنی ذوق وشوق کا وہ احساس کرنے لگتا ہے تو ذکر دو ضربی دمادم کی تعلیم کرتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ضرب لا الہ کی داہنے مونڈھے پر اور دوسری ضرب الا اللہ کی فضائے دل پر لگائیں اور محمد رسول اللہ تیسری بار یا پانچویں بار یا ساتویں یا نویں بار کہیں۔ اس ذکر میں قلتِ ضروب کی وجہ سے تفرقہ بھی کم ہے۔ جب اس ذکر کا نور ظاہر ہونے لگتا ہے تو لا الہ کو حذف کر کے صرف الا اللہ سے دو ضربی ذکر کرتے ہیں۔

---

[۱] انتباہ فی سلاسل الاولیاء صفحہ ۹۲

اِلّا اللہ کے دو ضربی ذکر میں ذاکر اپنے سر کو دائیں طرف جنبش دے کر فضائے دل پر اِلّا اللہ کی ضرب لگاتا ہے۔

اس کے بعد فقط اسم جلالہ "اللہ" کا ذکر اس خاندانِ عالیہ میں معمول ہے، وہ اس طرح کہ اللہ کو ناف سے اوپر کی طرف کھینچیں اور ھو کی ضرب دل پر لگائیں۔

جن اذکار کا اوپر ذکر ہوا یہ سب لسانی ہیں خواہ جہراً ہوں یا سراً لیکن اس امر کی احتیاط کی جاتی ہے کہ لا الٰہ الا اللہ کے ذکر سے اِلّا اللہ کا ذکر زیادہ کیا جائے اور اس سے اللہ کا ذکر زیادہ ہو۔

اس کے بعد ذکرِ لَقْلَقَہ کی تلقین کی جاتی ہے۔ یہ اسم جلالہ اللہ کا خفیہ و متصل طور پر ذکر کرنا ہے بغیر انفصال کے، اس میں ذاکر چاہے تو اپنا منہ کھلا رکھے یا بند کر لے۔ چاہے حبسِ دم کرے یا نہ کرے۔ ذکرِ لقلقہ لسانِ قلب سے کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد ذکر سہ پایہ تلقین کیا جاتا ہے۔ اس ذکر کے تین رکن ہیں: اسم ذات[1]، ملاحظہ اثباتِ صفات (یعنی سمیع، بصیر، علیم) اور برزخ یا رابطہ۔[2] اس ذکر میں بھی ہفت شرائط مشہورہ کا لحاظ رکھا جاتا ہے جن کا اوپر ذکر ہوا۔

ذکرِ "سہ پایہ" کا طریقہ یہ ہے: مربع بیٹھے جیسا کہ اوپر بتلایا گیا اور ہمزۂ اللہ کو ناف کے نیچے سے شد و مد کے ساتھ اوپر کی طرف کھینچے اور سانس کو سینہ میں حبس کرے اور لسانِ قلب سے اللہ کہے اور ساتھ ہی تصورِ معنیٰ کے ساتھ سمیعٌ کہے پھر اللہ کہے اور ساتھ ہی فہم معنیٰ کے ساتھ بصیرٌ کہے۔ پھر اللہ کہے اور ساتھ ہی تصورِ معنیٰ کے ساتھ علیمٌ کہے۔ اس کو عروج کہتے ہیں۔

پھر اس کے برعکس تصورِ معنی کے ساتھ اللہ علیمٌ اللہ بصیرٌ اللہ سمیعٌ کہے۔ اس کو نزول کہتے ہیں۔ یہ ایک دورہ ہے۔ یعنی ایک ذکر جو عروج و نزول پر مشتمل ہے۔ عروج و نزول کا یہ راز بتلایا جاتا ہے کہ احاطۂ سمع احاطۂ بصر سے کم تر ہے اور احاطۂ بصر احاطۂ علم سے کمتر ہے، سالک اوّل حال میں مرتبۂ عقل و شہادت میں ہوتا ہے جو تمام مراتب سے تنگ مرتبہ ہے اس لئے سمیع کی تقدیم کرتا ہے اور جب وہ ترقی کر کے مرتبۂ غیب تک پہونچتا ہے جو زیادہ وسیع مرتبہ ہے تو تقدیم بصیر کرتا ہے اور جب اس سے زیادہ ترقی کر کے مرتبۂ غیب الغیب تک پہونچتا ہے جو وسیع تر مرتبہ ہے تو علیم کا تصور کرتا ہے۔ پھر رجوع کرتا ہے۔[1]

---

[1] کشکول کلیمی از شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی قدس سرہ، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۸ھ ص۱۹

بعض کاملین کے ہاں اللہ سمیعٌ اللہ بصیرٌ اللہ علیمٌ، اللہ علیمٌ اللہ بصیرٌ اللہ سمیعٌ اللہ سمیعٌ اللہ بصیرٌ اللہ علیمٌ ایک ذکر ہے جو مشتمل ہے دو عروج اور ایک متوسط النزول پر

بہر حال اس ذکر سہ پایہ میں حبسِ دم اس قدر کرے کہ دو تین بار سے رفتہ رفتہ یہ ذکر چالیس پچاس بار تک ہو جائے تاکہ باطن میں حرارت پیدا ہو اور رُسوبات باطنہ جو وسواس پیدا کرنے والے خناس کا سبب ہیں جل جائیں اور خطرات کا سدّباب ہو جائے اور حق تعالےٰ کی محبت غالب آجائے ۔ اور محویت پیدا ہو جائے[1]

ہوسکتا ہے کہ جب سالک ان تینوں صفات سمیع بصیر علیم کو شرائط مذکورہ کے ساتھ ادا کرے تو پانچ اور صفات دائمٌ، قائمٌ، حاضرٌ، ناظرٌ، شاہدٌ کا بھی اضافہ کرے اور جب ان پر بھی استقامت حاصل ہو جائے تو باقی دوسرے سات اسمٔ صفات زیادہ کرلے ۔ چند روز سالک کو اس ذکر میں مشغول رکھتے ہیں ۔ جب اس کا نور ظاہر ہونے لگتا ہے یعنی ذوق و شوق کا احساس ہونے لگتا ہے تو دوسرے صفاتِ مرکب یعنی اکرم الاکرمین ارحم الراحمین اجود الاجودین، ذوالفضل العظیم، رب العرش العظیم کا اضافہ کیا جاسکتا ہے[2] ۔

شاہ کلیم اللہؒ یہاں ہر سالک کو متنبہ فرماتے ہیں کہ تحت میں یعنی ہمزۂ اللہ کو زیر ناف سے قوت کے ساتھ کھینچنے میں بہت حرج ہے تنگی و سختی ہے لیکن فائدہ بھی بہت زیادہ ہے اس کے بغیر ذکر ناقص ہے، لہٰذا جہاں تک ہوسکے اس کو ادا کرے لیکن خود کو زیادہ حرج میں نہ ڈالے اور اس کو ادا بھی کرلے اللہ یبصمک[3] !

سالکِ راہِ طریقت کو اللہ کا ذکر شش ضربی و چہار ضربی بھی کرنا چاہیے ۔ شش ضربی تو یہ ہے کہ ۶ جہت میں اللہ کی ضرب لگائی جائے اور چار ضربی یہ ہے کہ قبلہ رو بیٹھ کر مصحف کو اپنے سامنے رکھے یا کسی بزرگ کی قبر کو ۔ ضربِ اوّل داہنے طرف، ضرب دوئم بائیں طرف، ضرب سوم مصحف پر اور ضرب چہارم فضاء دل پر لگائے اور ذکر میں استغراقِ کامل پیدا کرے ، اس ذکر سے معانی قرآن کا کشف ہوگا ، اور اگر قبر سامنے تو اہلِ قبر کا حال منکشف ہوگا ۔ اس ذکر میں 'واسطہ' کا ملاحظہ ضروری ہے ۔ اس کے بغیر فائدہ نہیں ہوتا[4]۔

چشتیہ حضرات کے ہاں ذکر پاس انفاس کا طریقہ یہ ہے کہ باہر جانے والی سانس میں لا الٰہ اور

---

[1] ایضاً ص۲ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً۔

جانے والی سانس میں الا اللہ کہے زبانِ قلب سے، یعنی نفی باہر اور اثبات اندر کرے اور اس لبت وکشاد میں نظر ناف پر رکھے۔ اس ذکر کی اس قدر مداومت کی جانی چاہیئے کہ خود دم سالک ذاکر ہو جائے خواہ ذاکر بیدار ہو یا سو رہا ہو۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس سے ذاکر کی عمر دونی ہو جاتی ہے[1]

ذکر پاس انفاس کلمہ اللہ کے ساتھ بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس کی سند یہ ہے کہ اللہ کے ضمہ کو اشباع کے ساتھ کہے تاکہ اس سے واو پیدا ہو جائے یعنی لسانِ قلب سے مدّ نفس کے وقت (یعنی اندر کی سانس) "اللّٰ" کہے اور جزر نفس کے وقت (باہر کی سانس) ھو کہے[2]

ذکر پاس انفاس میں خواہ لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ کہا جائے یا اللہ کے ساتھ، ناک کے نتھنوں سے آواز پیدا ہو تو اس ذکر کو 'ذکر ارّہ بینی' کہا جاتا ہے۔ اس ذکر سے شورش اور سوزش زیادہ پیدا ہوتی ہے اور اس سے دماغ میں حرارت اور خشکی پیدا ہوتی ہے، ایسی صورت میں صوفیہ روغن بادام سر پر ملتے ہیں[3]

اس ذکر میں کمال حاصل کرنے کی پوری کوشش کرے اور اس میں کمال اس وقت حاصل ہوتا ہے کہ ذاکر کے شعور و اختیار کے بغیر اس کا دم ذاکر ہو جائے۔ ابتداء میں یہ ذکر عشاء کے بعد ہزار بار اور فجر کے بعد پانچ سو مرتبہ کیا جاتا ہے، رفتہ رفتہ تعداد بڑھائی جاتی ہے یہاں تک کہ یہ بلا قصد و تکلف جاری ہو جائے یہ ایک نعمت عظیم ہے۔

اگر تو پاس داری پاس انفاس　　بسلطانی رسانندت ازیں پاس

حضرت جابرؓ سے اہلِ جنت کے حال میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

یُلھمون التسبیح والتحمید کما تلھمون النفس (رواہ مسلم)　　ان کو تسبیح و تحمید کا اس طرح القا و اجرا ہوگا جس طرح کہ تم کو سانس کا ہوتا ہے۔

پاس انفاس سے بھی یہی کیفیت ذکر اللہ کے جاری ہونے کی ہو جاتی ہے، کیونکہ کثرتِ مشق سے

---

[1] ایضاً ۱۱ [2] ایضاً [3] ایضاً

جب ہر سانس کے ساتھ عادت ذکر کی ہو جائے گی تو ذکر امر طبعی کے مانند ہو جائے گا اور موت سے قبل ہی اہلِ جنت کے حال سے اس کا حال مشابہ ہو جائے گا۔

یوں بھی قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ تو نے اپنے دم کہاں صرف کئے۔ ع

زہر نفَس بقیامت شمار خواہد بود

اگر یہ دم یادِ حق میں صرف ہوئے ہوں تو نجات ہوگی۔ اسی لئے شیخ اکبرؒ نے فرمایا تھا کہ

ان المدۃ یسیرۃ والانفاس — مدّتِ عمر بہت کم ہے، انفاس نفیس اشیاء میں

نفائس وما مضیٰ عنہا لا یعود! — ان میں سے جو گزر جائے واپس نہیں ہوتا

ہر یک نفس کہ می رود از عمر گوہر است — کاز خراج ملک دو عالم بود بہا

مپسند کایں خزانہ دہی رائیگاں بباد — انگہ روی بخاک تہی دست و بے نوا

پاس انفاس کے جاری ہونے سے سالک کو ذکر کثیر حاصل ہو جاتا ہے جس کا قرآن حکیم میں حکم آیا ہے

یا ایہا الذین آمنوا اذکروا اللہ ذکرًا کثیرًا (الاحزاب ۴۱) — اے ایمان والو اللہ کا ذکر کثیر کرو۔

صوفیۂ کرام کا یہ طریقہ ذکر کثیر کے قائم کرنے کے لئے نہایت مفید و پسندیدہ ہے، فجزاھم اللہ عنا احسن الجزاء!

ذکر پاس انفاس ذکر قلبی ہے جو لسانِ قلب سے کیا جاتا ہے اور زبان سے نہیں۔ ذکرِ قلبی سے بعض فقہاء کا انکار محض مکابرہ ہے کیونکہ ذکر ضدِ نسیان ہے اور یہ قلب کی خاص صفت ہے، یا و قلب ہی کا خاصہ ہے![1] لہذا ذکر کو فقط ذکر لسانی پر حصر کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا، ذکر زبان سے بھی ہو سکتا ہے اور قلب سے بھی ہر ایک کے احکام مختص ہیں! ایک کا اقرار دوسرے کا انکار نادانی ہے! ع

مردم اندر حسرت فہم درست

---

[1] ایضاً ص ۹ و ۱۰

ذکر کشف الروح :۔ یہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ پہلے گیس بار یا رب کہیں پھر یا روح الروح کہہ کر دل پر ضرب لگائیں۔ پھر سر کو بلند کریں اور یا روح کہیں، جب ذکر سے فارغ ہوں تو مطلوب کی طرف توجہ کریں۔ جس روح کی طرف توجہ کی گئی ہے وہ حاضر ہو جائے گی، بیداری میں ہو یا خواب میں۔ اس ذکر کو دو ہزار بار کریں تو مقصود جلد حاصل ہوگا۔ یہ ذکر حضرت سید محمد گیسو دراز قدس سرہٗ کو حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہٗ سے پہنچا ہے۔[۱]

ذکر کشف قبور :۔ قبر کے نزدیک بیٹھیں اور سر آسمان کی طرف کریں اور کہیں اکشف لی یا نور۔ اس کے بعد اکشف لی کہتے ہوئے دل پر ضرب لگائیں اور قبر پر مقابل روئے میت ضرب لگائیں اور کہیں عن حالہ۔ میت کا حال معلوم ہو جاتا ہے علانیہ یا خواب میں۔[۲]

چشتیہ سلسلہ میں ذکر اجابۃ الدعوات نہایت مفید ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے داہنے طرف یا رَبّ کی ضرب لگائے، پھر دائیں طرف یا رَبّ کی ضرب لگائے، پھر دل پر یا رب کی ضرب لگائے، پھر یا رَبّی کہے۔ یہ ذکر بہت کرے، جب ذکر ختم کرنا چاہے تو دونوں ہاتھوں کو بلند کرے اور یا رَبّ کہے اور منہ پر پھیر لے اور جو مقصود یا مطلوب ہو اس کو قلب میں حاضر کرے۔ یہ ذکر منقول ہے شیخ الحقیقۃ شیخ محی الدین ابن عربیؒ سے۔[۳]

دفع مرض کے لئے یہ ذکر مجرب ہے :۔ دائیں جانب یا احد، بائیں جانب یا صمد اور دل پر یا وتر کی ضرب لگائے۔[۴]

ذکر میں حبس نفس کے سلسلہ میں چند باتوں کا جاننا ضروری ہے۔ شاہ کلیم اللہ جہان آبادیؒ فرماتے ہیں کہ بعض سلسلوں میں حبس نفس نفی خواطر کے لئے ایک اصل قوی بلکہ اصل للاصول سمجھا جاتا ہے۔ خواجگانِ چشتیہ، کبرویہ و شطاریہ و قادریہ نے اس کو نفی خواطر اور بے خودی کے لئے شرط قرار دیا ہے لیکن خواجگانِ نقشبندیہ نے اس کو شرط نہیں قرار دیا ہے، تاہم وہ اس کی اولیت کے منکر بھی نہیں ہیں۔ ان کے برخلاف سہروردیہ

۱؎ ایضاً ص ۲۲، ۲؎ ایضاً ص ۲۲-۲۳ ۳؎ ایضاً ص ۲۳، ۴؎ ایضاً ص ۲۴

مشائخ نے عدم حبس کو شرط قرار دیا ہو چنانچہ شیخ بہاء الدین عمر و شیخ زین الدین الخوافی قدس سرہما کا یہی خیال ہو جو سلسلۂ سہروردیہ کے اکابر ہیں۔

شاہ صاحبؒ کا خیال ہے کہ یہاں دو باتوں کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ ایک تو حبس نفس ہے اور دوسرے حصر نفس۔ حبس نفس دو قسم کا ہوتا ہے: تخلیہ و تملیہ۔ تخلیہ سے مراد یہ ہے کہ سانس کو پیٹ کے اندر کھینچیں اور ناف کو پشت سے لگا دیں اور سانس کو سینہ میں، یا بعض کے نزدیک دماغ میں حبس کرلیں بعض احتیاط کی خاطر انگلیوں سے آنکھوں کو اور ناک کان کے سوراخ کو بند کرلیتے ہیں، لیکن یہ ضروری نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ خضر علیہ السلام نے شیخ عبدالخالق غجدوانی قدس سرہٗ کو تعلیم فرمائی تھی کہ پانی کے حوض میں غوطہ لگائیں اور یہ عمل کریں۔

صوفیہ کا تجربہ ہے کہ اس طرح ضبط نفس کرنے سے بہت فائدہ ہوتا ہے یعنی خواطر کی کامل طور پر نفی ہو جاتی ہو اور مستی یا ذوق پیدا ہوتا ہے۔

تملیۂ نفس سے مراد یہ ہے کہ سانس کو اندر کھینچیں اور پیٹ میں نفخ کے ساتھ اس کو بند کرلیں، ایسی صورت میں نفخ بطن کی وجہ سے ناف پشت سے الگ ہو جائے گی۔ تخلیہ سے جو حرارت سلوک الی اللہ میں مقصود ہے زیادہ پیدا ہوتی ہے اور تملیہ سے غذا زیادہ ہضم ہوتی ہے۔

حصر نفس جس کو اکثر جوگی کیا کرتے ہیں وہ قطع کرنا ہے سانس کا دونوں طرف سے، یعنی اندر اور باہر سانس کی آمد و رفت میں جو درازی معہود ہے اس کو بتدریج کم کرتا جائے یہاں تک کہ سانس بالکل رک جائے۔ اس میں شک نہیں کہ اس عمل سے دل میں حرارت ضرور پیدا ہوتی ہے لیکن حبس سے جو حرارت پیدا ہوتی ہے وہ حصر کی حرارت سے زیادہ ہوتی ہے۔

یہ بات صاف طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ حبس نفس، ذکر دو ضربی، چہار ضربی، تعدادی وغیرہ سے مقصود باطن سالک میں حرارت کی تولید ہے جو مورث شوق و معدِ عشق ہوتی ہے، آتش محبت کو تیز کرتی ہے اور سالک میں مستی، جوش و خروش پیدا کرتی ہے۔

اس دوران میں سالک کو ہدایت کی جاتی ہے کہ زیادہ رطوبت پیدا کرنے والی غذاؤں سے پرہیز

کرے، اسی طرح ترش اغذیہ یا زیادہ گرم کھانوں سے بھی احتیاط کرے، حبس نفس کے بعد جب سانس چھوڑیں تو آہستہ آہستہ ناک سے چھوڑیں، منہ سے نہیں کہ اس میں ضرر کا اندیشہ ہے اور یہ عمل شکم پُر ہونے یا زیادہ بھوک کی حالت میں نہ کریں۔ یہ ساری احتیاطیں بدایتِ حال میں ضروری ہیں۔ جب بلوغ وکمال کی حالت پیدا ہو جائے تو اب اس کو اختیار ہے کہ حبسِ نفس کرے یا نہ کرے۔ شاہ صاحب کو اعتراف ہے کہ مشائخ صوفیہ نے اس عمل کو جوگیوں سے سیکھا ہے[1]

محققین صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ جب نفس انسانی کا محسوسات و مالوفات سے تنقیہ اور اس کی تطہیر ہو جاتی ہے اور استغراقِ ذکر و حضور کی وجہ سے اس کے باطن کی تعمیر ہو جاتی ہے تو اس کو روحانیات سے ایک ربط اور نسبت پیدا ہو جاتی ہے اور اس نسبت و ربط کی وجہ سے اس کا قلب روشن ہو جاتا ہے اور وہ اس نور سے ذاتِ حق کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کے احکام و مرضیات پر مطلع ہو جاتا ہے، اب یہ نور بصیرت سے بصر کی جانب منعکس ہوتا ہے اور وہ حسِ ظاہر سے عوالم غیب کا احساس کرنے لگتا ہے اور اس وقت وہ عالم ظاہر و باطن سے منسلخ ہو جاتا ہے[2]

ذکر سے سالک کو انوار بھی نظر آتے ہیں۔ کبھی ان انوار کا رنگ سفید ہوتا ہے، کبھی سبز اور کبھی عقیقی اور آخر میں نورِ سیاہ ظاہر ہوتا ہے جس کو نورِ حیرت اور نورِ ذات کہتے ہیں۔ جو نور داہنی طرف مونڈھے سے متصل نظر آئے وہ کاتبِ یمین کا نور سمجھا جاتا ہے اور غیر متصل ہو تو نورِ شیخ، اور اگر روبرو ظاہر ہو تو اس کو نورِ محمدی سمجھتے ہیں، اسی طرح اگر بائیں طرف مونڈھے سے متصل ظاہر ہو تو کاتبِ یسار کا نور ہوتا ہے اور غیر متصل ہو تو سمجھ لیتے ہیں کہ تلبیسِ ابلیس ہے، ایسے ہی اگر کوئی صورت بائیں طرف سے ظاہر ہو تو اس کو بھی تلبیسِ ابلیس قرار دیا جاتا ہے۔ اور اگر بالائے سر اور پیچھے سے ظاہر ہو تو وہ ملائکہ حفظہ کا نور سمجھا جاتا ہے اگر یہ بلا جہت ظاہر ہو اور اس سے دل میں دہشت سی محسوس ہو اور اس کے غائب ہو جانے کے بعد حضور باقی نہ رہے تو اس کو تلبیس ابلیس سمجھنا چاہیئے۔ اور اگر ظہورِ نور کے وقت حضور رہے اور اس کے غائب ہونے کے بعد ذوق و اشتیاق ہو تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ مطلوب کا نور ہے۔ اگر نور سینے اور ناف کے اوپر ظاہر ہو،

---

[1] ایضاً ص ۱۱ [2] ایضاً ص ۱۱

پھر یہ تلبیس ابلیس ہے۔ اگر نور کا دل پر ظہور ہو تو یہ صفائی قلب سے پیدا ہونے والا نور سمجھا جاتا ہے۔
لیکن طالب صادق کو ان انوار کی طرف کبھی التفات یا توجہ نہ کرنی چاہیئے اور نہ اُن سے خوش ہونا چاہیئے کہ یہ سب غیر مطلوب ہیں[۱]

دلا راے کہ داری دل درو بند
دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

جس سالک پر بالکل نور ظاہر ہی نہیں ہوتا اس کے سلوک کو اسلم سمجھا جاتا ہے اور اس کو امید وصول زیادہ رکھنی چاہیئے۔

شاہ کلیم اللہ جہان آبادی قدس سرہٗ نے اپنی کشکول میں ان چند اذکار کا بھی ذکر کیا ہے جو سینہ بسینہ پہونچے ہیں اور حضرات مشائخ انہیں صرف ان ہی مریدوں کو تعلیم دیتے ہیں جن کا تصفیہ تام ریاضتوں، مجاہدوں، اور اربعینات سے ہو چکا ہوتا ہے۔

ان اذکار خاص سے ایک ذکر سیت ہے جو یا مَعِیُ یا مَعِیُ یا مَعِیُ یا مَعِیُ یا ھُوْ یا ھُوْ سے کیا جاتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے:-

دو زانو ہو بیٹھیں، سُرین کے نیچے سے اپنے پاؤں نکالیں اور دونوں سُرین کو زمین پر رکھ دیں اور داہنے ہاتھ سے بائیں بازو کو اور بائیں ہاتھ سے داہنے بازو کو مضبوط پکڑ لیں اور مذکورہ بالا پانچ کلمات کا اس طرح ذکر کریں کہ ایک ایک کلمہ کے ساتھ ایک ایک ضرب لگاتے جائیں۔ پہلی ضرب داہنے قدم اور داہنے زانو کے درمیان، دوسری ضرب آسمان کی طرف، تیسری ضرب بائیں قدم اور بائیں زانو کے درمیان، چوتھی ضرب جگر پر اور پانچویں ضرب فضائے قلب پر شدت و قوت کے ساتھ اور اس حضور کے ساتھ ھُو سے اشارہ احدیت مطلقہ کی طرف ہو۔ لیس کمثلہ شئی!

بہتر ہے کہ اس ذکر کے زمانہ میں ذاکر کی غذا دودھ ہو اور اگر اس کے ساتھ زعفران بھی ملالی جائے بہتر ہے اور عطریات کا بھی استعمال کرے۔ ہو سکتا ہے کہ صرف تین کلمات ہی پر اقتصار کیا جائے۔[۲]

---

[۱] ایضاً ص ۱۲

ھو ھو یا مَعِیْ پر، مگر ھو ھو کی ضرب آسمان کی طرف اور مَعِی کی ضرب قلب پر لگائی جائے۔

دوسرا ذکر، ذکر کلیۃ کہلاتا ہے اور وہ یہ ہے:- بِكَ الكل منكَ الكل اليكَ الكل یا کُلَّ الکل۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ مربع بیٹھے، ایک ضرب سامنے، ایک داہنے، ایک بائیں ایک آسمان کی طرف یا قلب پر ان دونوں اذکار سے مشاہدہ ذاتیہ صفاتیہ حاصل ہوتا ہے۔

تیسرا خاص ذکر ذکر احاطہ ہے اور وہ یا محیطُ ظاهراً وباطنًا ہے۔ یہ ذکر صورتِ مشاہدہ ہے اس کا طریقہ یہ ہے:- ظاهراً کہتے وقت آنکھیں کھلی رکھیں اور باطنًا کہتے وقت بند کرلیں۔

چوتھا ذکر، ذکر عوالجہات ہے:- انت فوقي، انت تحتي، انت امامي، انت خلفي انت يميني، انت شمالي، انت فيَّ وانا مع الجهات فيك، اينما تولّوا فثم وجهُ الله
یہ ذکر اس طرح کیا جاتا ہے:- ذاکر کھڑا ہو جائے اور منہ عرش کی طرف کرے اور کہے انت فوقي پھر طبقاتِ زمین کی طرف توجہ کرے اور بیٹھ جائے اور کہے انت تحتي، پھر کھڑا ہو کر منہ سامنے کی طرف کرے اور انت امامي کہے، پھر داہنے جانب کی طرف سے ہو کر پیچھے مڑ جائے اور انت خلفي کہے، پھر داہنی طرف رُخ کرکے انت يميني کہے اور جانب چپ مُنہ کرکے انت شمالي کہے اور دل پر ضرب لگا کر کہے انت فيَّ، پھر بائیں طرف سے ہو کر چاروں طرف گھومے اور کہے انا مع الجهات فيك اينما تولّوا فثم وجهُ الله۔ یہ تمام ایک ذکر ہوا اس طرح جہاں تک ہو سکے ذکر کرتا جائے۔
بعض لوگ اس کو جنگل یا پہاڑ پر جا کر کیا کرتے ہیں کہ انھیں کوئی نہ دیکھ پائے اور تخلیہ حاصل ہو۔[۵۱]

ان ہی اذکار سے ایک ذکر تجلی انانیت ہے اور وہ انّی انا الله لا اله الّا انا کا ذکر ہے۔ یہ ذکر نمازِ تہجد کے بعد سو مرتبہ کیا جاتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہو کہ سر آسمان کی طرف کرے اور انّی انا الله کہے، پھر سر کو داہنی جانب پھیر کر لا اله کہے، پھر شدت اور قوت کے ساتھ فضائے قلب پر الّا انا کی ضرب لگائے۔

ان پانچ اذکار میں تصورِ معانی اور تصورِ برزخ شرط ہے[۵۲] بشرطیکہ مرشد کامل ہو ورنہ تصورِ معنی

---

۵۱ ایضاً ص ۲۴، ۲۵ ۵۲ ایضاً

کافی ہے!

یہ بات خوب یاد رکھنی چاہیئے کہ طریقۂ اذکار در اصل عشق پر مبنی ہے عشق جس قدر زیادہ ہوگا ذکر کی تاثیر بھی زیادہ ہوگی، لیکن یہ بھی ہوتا ہے کہ ذکر کی مشق و مزاولت سے خود رشتۂ محبت محکم ہوتا ہے، قلب میں نائرۂ عشق بھڑک اٹھتا ہے، ذکر عشق کے بجھے ہوئے شعلہ کو ہوا دیتا ہے! اور عشق کے بغیر سلوک کا قدم اٹھ نہیں سکتا! لِلّٰہِ دَرُّ من قال:۔

ہاں حالِ رجال را بہ بازی مطلب — ناساختہ کار کارسازی مطلب
از آتش عشق تا نسوزی یکسر — توحید حق از سخن طرازی مطلب

(مخمور ایرانی سورتی)

ختم مجلس ذکر پر تین مرتبہ :- سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم وبحمدہٖ کہے اور یہ دعا پڑھے

اللّٰھم انک قُلْتَ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَقَدْ ذَكَرْتُكَ علی قَدْرِ قِلَّةِ
علمی وعقلی وفہمی فَاذْکُرْنِی علی قدر سَعَةِ نفسك و فضلك وعلمك
ومغفرتك، اللّٰھم افتح مسامع قلوبنا بذکرك یا خیرالذاکرین[۵]

حضرت شیخ کلیم اللہ شاہجہان آبادی قدس سرہٗ خانوادۂ چشتیہ میں ایک عظیم المرتبت شیخ گذرے ہیں۔ آپ شیخ یحییٰ مدنی چشتی قدس سرہٗ کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ آپ سنہ ۱۰۶۰ھ میں پیدا ہوئے، لفظ غنی سے تاریخ تولید نکلتی ہے اور سنہ ۱۱۴۲ھ میں وفات پائی۔ مادۂ تاریخ اس قطعہ کے آخری مصرعہ سے نکلتا ہے :۔

کلیم اللہ عارف پاک بودہ — باقلیم بقا ذوقش ربودہ
بپرسیدم چو تاریخ وصالش — خرد گفتہ کہ ذاتِ پاک بودہ

۱۱۴۲ھ

---

۵ ایضاً ص ۲۵، ۲۶۔

آپ نے اپنی بے نظیر تالیف کشکول کے خاتمہ میں ذکر کا ایک خاص طریقہ پیش فرمایا ہے جس کو آپ نے "مرید صاحب اجتہاد" کی تربیت کے لئے موزوں قرار دیا ہے[1]۔ ذکر کا مقصد حصول علم بسیط' فنا اور فناء الفناء ہے ۔اس طریقہ سے یہ مقصد بآسانی حاصل ہو سکتا ہے۔ شاہ صاحب کے اس طریقہ کا ہم آسان زبان میں خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ ذی علم زیرک طالب کے لئے یہ ایک نعمت بے بہا ہے ۔ اس طریقہ کے متعلق آپ فرماتے ہیں کہ:۔

"رجا واثق است کہ اگر بر طبق ایں تربیت قدم نہد از حضیض فرق در اندک فرصت بذروہ جمع رسد[2]"۔

(۱) طالب کو چاہیئے کہ ایک خالی جگہ طہارتِ کاملہ کے ساتھ بیٹھ جائے' آنکھ بند کرلے اور زبان تالو میں لگالے اور دل میں یہ خیال کرے کہ میرا مضغۂ قلب اللہ اللہ کہہ رہا ہے لیکن میں اس کو سُن نہیں رہا ہوں' اب میں اس کے سننے کی کوشش کرتا ہوں' اور پھر اپنی تمام توجہ و ہمت اس کے سننے میں لگادے کچھ عرصہ میں بعون اللہ تعالےٰ قلب میں ایک حرکتِ موہوم محسوس ہوگی۔ اب اس کو یہ نہ معلوم ہوگا کہ یہ حرکتِ قلب ہے' یا سانس کی حرکت ہے یا محض اس کا وسواس ہے ۔اب اس کو چاہیئے کہ اور زیادہ توجہ اور ہمت سے کام لے کہ یہ حرکت زیادہ ظاہر ہوجائے اور اس کے حرکتِ نَفَس یا وسواس ہونے کا شبہ زائل ہوجائے اور اس کو یقین ہوجائے کہ اس کا مضغۂ قلب متحرک ہے اور اللہ اللہ کہہ رہا ہے۔ اس کو نقشبندیہ کی اصطلاح میں لطیفۂ قلب کا جاری ہونا کہتے ہیں ۔ اس دولت کا ظہور حسب مراتبِ مشاغلین مختلف و متفاوت ہوتا ہے' کسی کو جلدی' کسی کو دیر سے' کسی کو تھوڑی ہی توجہ سے اور کسی کو کافی کوشش سے حاصل ہوتا ہے' لیکن مایوسی کسی کو نہیں ہوتی ۔

(۲) جب ذاکر اس سعادت سے مشرف ہوجائے تو اس کا کام ہے کہ ہمت کو استعمال کرے اور خلا و ملا میں اس حرکت کو سنتا رہے اور زبان کو خاموش رکھے اور اس کے حفظ و بقا کی کوشش کرے۔

---

[1] کشکول ص۳۳ تا ص۴۶ [2] ایضاً ص ۴۴

کیونکہ ابتدا میں یہ حرکت بہت ہی ضعیف ہوتی ہے اور معمولی سا مانع اس کو موقوف کر سکتا ہے جب یہ امر جلیل القدر حاصل ہو جائے تو اس کو حقیر و صغیر ہرگز نہ سمجھے اور اس کی پرورش میں شب و روز کوشاں رہے اور کچھ دن سوائے فرائض و واجبات و سنن رواتب کے نوافل اور وظائف وغیرہ چھوڑ دے اور ہمہ تن اس نسبت کی پرورش میں مشغول و مصروف رہے۔ کبھی کبھی آنکھ کھول لیا جائے اور اسی نسبت کے حضور میں رہے یہانتک کہ یہ ملکہ حاصل ہو جائے کہ آنکھیں کھلی رکھ کر بھی قلب کی طرف متوجہ رہ سکتا ہے، اسی کو خلوت در انجمن کہا جاتا ہے۔ تائیدِ الٰہی سے یہ نسبت قوی ہوتی جاتی ہے، نسیان کے وقت ادنیٰ توجہ سے اس کو پھر قائم کر سکتے ہیں، اب یہ زیادہ عرصہ رہتی ہے اور کوئی مانع و مزاحم شے اس کو زائل نہیں کر سکتی اس حالت میں طالب کو ذکر میں لذت ملتی ہے اور جمعیتِ قلب اس کو حاصل ہو جاتی ہے۔

(۳) جب حرکت قلب کا حال اس مرتبہ تک پہنچ جائے کہ بے تکلف زبانِ دل سے لفظ مبارک اللہ کا سننے لگے اور معلوم ہونے لگے کہ اس حرکت کا منشأ قلب صنوبری ہے تو اب یہ حرکت تمام اجزائے بدن میں بھی منتشر ہو سکتی ہے اور وہ اس طرح ہوتا ہے کہ پہلے سالک کے اعضاء میں سے کسی عضو میں یہ حرکت ظہور کرتی ہے کبھی ہاتھ سے، کبھی پاؤں سے، کبھی سر سے، حالانکہ سالک اس عضو کی حرکت کا قصد نہیں کرتا اور اپنی توجہ قلب ہی پر مرکوز کرتا ہے۔ جب نورِ ذکر اس طرح منتشر ہونے لگتا ہے تو تھوڑے ہی عرصہ میں تمام جسم کا احاطہ کر لیتا ہے اور سر سے تا قدم یانتک سالک کا جسم ذکر سے معمور ہو جاتا ہے! اب مختلف احوال کا ظہور ہونے لگتا ہے، کبھی وہ شاداں و خنداں ہوتا ہے اور کبھی افسردہ و حیراں اور کبھی گریاں و بریاں، لیکن سالک کو چاہیئے کہ وہ ان احوال کی طرف مطلق توجہ نہ کرے اور اشتغال بالذکر کو اہم مہمات دینی و دنیوی جانے! تائیدِ الٰہی سے ایسا ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ تن تمام جسم سے اللہ کا ذکر جاری ہو جاتا ہے اور تمام اعضا ایک آواز ہو کر قلب کے ساتھ موافقت کرنے لگتے ہیں۔ اس حالت میں بعض وقت ذکر کا غلبہ بعض اعضا پر زیادہ ہوتا ہے اور بعض پر کم اور بعض وقت یہ بدن کے سارے اعضا پر ساری ہوتا ہے۔ اور مساوات کی صورت میں لذت زیادہ محسوس ہوتی ہے اس کو صوفیہ کی اصطلاح میں سلطان الذکر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(۴) اس مقام پر شاہ صاحب صوفیہ کرام کے مسلّم اصول کو یاد دلاتے ہیں کہ ذکر سے مقصود

'فنائی المذکور' ہے نہ کہ 'فنائی اسم المذکور' لہٰذا سالک کو اپنی ہمت مجرد تلفظ کلمۂ جلالہ پر مرکوز نہ کرنی چاہیئے خواہ یہ کلمہ زبان سے ادا ہو رہا ہے یا قلب سے ' گو ایسا کرنے میں فائدہ ضرور ہے' اجر و ثواب حاصل ضرور ہوتا ہے لیکن بغیر مذکور کے حضور کے یہ ذکر موصل الی المطلوب نہیں ہوتا اور اصل مقصود ذکر سے جیسا کہ ابھی کہا گیا ہے مذکور میں فنا ہوتا ہے نہ کہ اسم مذکور میں فنا ہونا۔

(۵) جب سالک سلطان الذکر کے مرتبہ پر پہونچ جاتا ہے تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ مضغۂ صنوبری کی طرف کامل توجہ کرتا ہے تو اس کو مضغہ میں اور شریانوں میں ایک ایسی حرکت محسوس ہوتی ہے جو کیفیت کے لحاظ سے پہلی حرکت سے مختلف ہوتی ہے کیونکہ ذکر سے جو حرکت پیدا ہوئی تھی وہ منفصل تھی اور یہ نئی حرکت متصل ہوتی ہے۔ مثال سے یوں سمجھو کہ پہلی حرکت 'ہو ہو ہو' کی حرکت کے مشابہ تھی جس میں توالی و تکرار پائی جاتی ہے اور دوسری حرکت ایک کلمۂ ہو کے مشابہ ہوتی ہے جو ممدود ہوتی ہے' یا یوں کہو کہ پہلی حرکت آبشار کی آواز کے مانند تھی گویا کہ پانی ایک جگہ سے دوسری جگہ گر رہا ہے اور دونوں جگہوں کی آواز ایک دوسرے سے منقطع ہو کر پیہم سنائی دیتی ہے اور دوسری حرکت اس چادر آب کی آواز کے مانند ہوتی ہے جو یک لخت اوپر سے نیچے گر رہی ہے بلا انقطاع ۔ یا یوں سمجھو کہ پہلی حرکت ہتھوڑے کی آواز کے مانند تھی جس کو اہرن پر پے در پے ٹھونکا جا رہا ہے اور دوسری حرکت کانسی کے اس برتن کی ہے جس پر کسی چیز کے دے مارنے سے ایک آواز پیدا ہوتی ہے جو ممتد و بلا انقطاع ہوتی ہے ۔ بہر حال یہ دوسری حرکت پہلی حرکت کی بہ نسبت زیادہ لطیف ہوتی ہے اور اس کا ادراک کافی مشق کے بعد ہوتا ہے ۔

اب یہ جاننا چاہیئے کہ پہلی حرکت جو منفصل ہوتی ہے' ہم اس کو کلمۂ اللہ یا کلمۂ حق یا کلمۂ ھو پر حمل کر سکتے ہیں کیونکہ ہر کلمہ کی ایک آواز ہوتی ہے جس کی ایک ابتدا ہے اور ایک انتہا' لہٰذا ہر منقطع آواز کو جس کی ابتداء و انتہا ہے' ہر کلمۂ منقطعہ پر حمل کیا جا سکتا ہے ، لیکن حرکت ثانیہ کو جو متصل واحد ہوتی ہے جس کی ابتدا و انتہا کا اعتبار نہیں کیا جا سکتا کلمات منفصلہ یا منقطعہ پر حمل نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ہم اس کو مذکور پر حمل کر سکتے ہیں نہ کہ 'ذکر' پر' یعنی 'مسمّیٰ' پر حمل کر سکتے ہیں نہ کہ "اسم" پر' برخلاف پہلی حرکت کے جو صرف اسم و ذکر پر ہی حمل کی جا سکتی ہے اور مسمّیٰ و مذکور اس سے صرف ضمنی طور پر ہی سمجھا جا سکتا ہے!

یہ سُن کر ہمارے ذہن میں ایک اہم خدشہ پیدا ہوتا ہے :- مذکور و مطلوب یعنی حق تعالےٰ تو ایسے اطلاق سے موصوف مانا گیا ہے کہ اطلاق بھی اس مرتبہ میں تقیید ہی سمجھا جاتا ہے، یا اصطلاحی زبان میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس کا مرتبہ لابشرط شئی کا ہے، نہ کہ بشرط لاشئی کا، لیکن حرکت ثانیہ سے جو کچھ بھی سالک کے ادراک میں آرہا ہے وہ قطعاً عالم محسوسات سے ہے اور یہ مرتبہ بشرط لاشئی ہی، اب اس کا حمل مذکور یا مقصود یعنی حق تعالےٰ پر کیسے کیا جا سکتا ہے؟

اس خدشہ کے رفع کرنے کے سلسلہ میں جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ یہ خدشہ اپنی جگہ بالکل صحیح ہے لیکن اتنی بات ہمیں یاد رکھنی چاہیئے کہ جو شے بھی ایک قسم کا اطلاق رکھتی ہے وہ بہرحال اقرب الی المقصود ہوتی ہے بہ نسبت اس چیز کے جو تقیید رکھتی ہے، چونکہ حرکت ثانیہ میں اطلاق ہے اس لئے وہ حرکت اولیٰ کی بہ نسبت اشبہ بالمقصود ہے۔ دراصل یہ دونوں بھی عالم تنزلات اور مظاہر اسماء و صفات سے ہیں اور سلوک میں اصل مقصود مرتبۂ لابشرط شئی ہے جو انتہائے مقام سلوک ہے اور اس کا حصول اسی وقت ممکن ہے جب سالک فنا، فناء الفنا و بقا کے مقام پر پہنچتا ہے!

(۶) بہرحال جب یہ حرکت متصلہ سالک کو مدرک ہونے لگے تو بعض کے لئے اس کا انتشار سارے بدن میں محسوس ہوتا ہے اور بعض اس کو کسی ایک خاص عضو ہی میں ادراک کرتے ہیں، بہرصورت یہ ادراک توجہ بمقصود کا موجب ہوتا ہے۔ اگر توجہ الی المقصود پھر بھی حاصل نہ ہو تو اس کے لئے بغیر اعتبار اسم مضغہ ہی کی طرف توجہ کرنی چاہیئے، اگر اس سے بھی کام نہ بنے تو اسم ہی کے ضمن میں مقصود کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ لیکن خوب یاد رکھو کہ اس مرتبہ میں فقط اسم ہی کی طرف توجہ بغیر اعتبار مسمیٰ کے بہت مضر ہے۔ کیونکہ اس سے اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے!

اب سالک کو چاہیئے کہ اس حرکت متصلہ کے علم کو حرکت متصلہ پر منطبق کرے کیونکہ قرب و بُعد، حضور و غیبت، فنا، و فناء الفنا، اسی علم پر مترتب ہوتا ہے اور چونکہ اصل و منشا ان دونوں حرکات کا یعنی حرکت متصلہ و منفصلہ کا، مضغہ ہی ہے لہذا ان حرکات کا علم مضغہ ہی سے حاصل کرے نہ کہ کسی دوسرے عضو سے، اور جب سالک کا سارا جسم اس حرکت سے مشرف ہو جائے تو اس کو چاہیئے کہ مذکور کا انطباق

سارے جسم کی حرکت پر کرے اور علم کا انطباق مذکور پر کرے! اس حالت میں غیبت و بے خودی کا ہجوم ہوتا ہے اور سالک کا نزول فنار، فنار الفنار میں ہوتا ہے! اللّٰھم ارزقنا ھذا المقام!

(۷) جب کثرتِ ورزش سے سالک اس مقام پر پہنچ جائے کہ اس حرکت کا علم اکثر اوقات حاضر رہنے لگے تو اب اس کو کوشش اس امر کی کرنی چاہیئے کہ اس معنی کا حضور مضغہ کے واسطے کے بغیر حاصل ہو جائے اور مضغہ کی طرف توجہ ہی نہ کرنی پڑے تاکہ ترقی کی جا سکے اور مضغہ اور تمام بدن کی طرف سے توجہ بالکل مرتفع ہو جائے اور اسی کو مذکور کا علم ساذج کہا جاتا ہے۔ اب اس نسبت کی پرورش میں اپنی ساری ہمت کو استعمال کرنا چاہیئے اور قلت سے کثرت اور کثرت سے دوام تک پہونچانا چاہیئے۔

(۸) اگر بعض اوقات ضعفِ نسبت کی وجہ سے حرکت کے واسطے کے بغیر نسبت کی نگہداشت نہ کی جا سکے تو پھر اسی حرکت کے توسل کو کام میں لا کر نسبت کی طرف توجہ کرنی چاہیئے اور تعطل کو روا نہ رکھنا چاہیئے، اور اگر بدن کی حرکتِ متصلہ کلیہ سے بھی غفلت ہو جائے تو قلب کی حرکتِ متصلہ جزئیہ کی طرف توجہ کرنی چاہیئے، اور اگر یہ بھی مفقود ہو جائے تو قلب کی حرکتِ منفصلہ جزئیہ کی طرف توجہ کرنی چاہیئے اور اگر یہ بھی مفقود ہو جائے تو ہو سکے تو سرد پانی سے غسل کرنا چاہیئے یا دو تین مرتبہ سانس کو قوت کے ساتھ دماغ سے نکالے، یا اسمِ فعّال کو چند بار حضورِ قلب و فہمِ معنی کے ساتھ پڑھے۔ انشاء اللہ ان ہی طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ سے وہ امرِ گم شدہ کو حاصل کرلے گا۔

(۹) اگر عنایت الٰہی سے کثرتِ ورزش کی وجہ سے سالک ایسے مقام پر فائز ہو جائے کہ اس کو اکثر اوقات، مذکور کا حضور بغیر حرکتِ کلیہ بدیہہ کی طرف توجہ کرنے کے، رہنے لگے تو اب اس کی یہ کوشش ہونی چاہیئے کہ ایک لحظہ و لمحہ بھی اس نعمتِ عظمیٰ سے غفلت نہ ہو خواہ افعالِ جوارح میں ہو یا افعالِ قلب میں، اسی صورت میں کہا جائے گا کہ اس کو "دست بکار و دل بیار" کا مرتبہ حاصل ہو گیا۔

سررشتۂ دولت اے برادر بکف آر — ویں عمرِ گرانمایہ بغفلت مگذار
دائم ہمہ جا با ہمہ کس در ہمہ کار — می دار نہفتہ چشمِ دل جانبِ یار

(۱۰) سالک کو اس امر کی پوری کوشش کرنی چاہیئے کہ یہ علم "ناشی من غیر جھۃ وکیفیۃ"

ہو، یعنی اس کا تعلق کسی جہت و کیفیت سے نہ ہو، تاکہ علم اور معلوم (مطلوب) میں اطلاق و عدمِ تقیید کے لحاظ سے مناسبتِ تامہ پیدا ہو جائے۔ اس چیز کو واضح طور پر اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ سالک اپنے قلب کے وسط سے ایک ایسی نسبت پاتا ہے جو ایک رشتہ کی طرح ہے اور مطلوب کی طرف جا رہی ہے تاکہ طرفِ ثانی سے متعلق ہو جائے، لیکن چونکہ طرفِ ثانی جو ذاتِ مطلوب ہے، مطلق و غیر متعین فی حدِ ذاتہ ہے، لامحالہ یہ نسبت اسی مطلق و غیر متعین ذات سے مرتبط ہو گی جس میں کم و کیف کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔[1]

اسی کیفیت کو کشش و نگرانیٔ باطن یا آگاہی و حضور سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے جس کے نتیجہ کے طور پر ذوق و شوق، انشراح و سرور، جذب و مستی یا خوف و ادب پیدا ہوتا ہے اور ولایت ان ہی حالات کے ترتّب کا نام ہے۔ (باقی)

---

[1] شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کی توضیح ختم ہوئی۔ دیکھو کشکول ص ۴۳ تا ص ۴۴

بیادگارِ شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی نور اللہ مرقدہ

ہفت روزہ **پیامِ اسلام** لاہور

• پیام اسلام کتاب و سنت کی روشنی میں صحیح رہنمائی کا علمبردار ہے • پیام اسلام متلاشیانِ راہِ حق کی رہنمائی کے لئے روشن مینار رہے۔ • پیام اسلام الحاد و زندقہ کے موجودہ دورِ پُرفتن میں حقانیتِ اسلام کا دعویدار ہے • پیام اسلام حق و باطل کی موجودہ معرکہ آرائی میں اہلِ حق کی حمایت کا آلہ کار ہے • پیام اسلام ادعیانِ باطلہ کی طاغوتی طاقتوں کو ملیامیٹ کر کے اسلامی عروج کو منظرِ عام پر لانے کا بہترین شاہکار ہے

سائز ۲۰×۳۰/۴ صفحات ۸ ۔ زرِ بدل سالانہ پانچ روپے فی پرچہ دو آنے نمونہ مفت

آج ہی زرِ بدل سالانہ ارسال کر کے خریداری قبول فرما دیں یا اپنے شہر کی ایجنسی سے طلب کریں۔

منیجر پیامِ اسلام ہفت روزہ اندرون شیرانوالہ دروازہ **لاہور** ۸